قسط دھم:۔

میر کا سیاسی اور سماجی ماحول

جناب ڈاکٹر محمد عمر صاحب، استاذ جامعہ ملیہ اسلامیہ نئی دہلی

فضول خرچی اور فیاضی حکومتِ برطانیہ کے تسلط سے پہلے ہندوستان سونے کی چڑیا کہلاتا تھا اور اپنی دولت کے لئے دنیا میں مشہور تھا۔ شاہ عبدالعزیز دہلوی نے ایک موقعہ پر محمد شاہی وزیر قمرالدین خاں[1] کی فارغ البالی اور تموّل کا ذکر کرتے ہوئے کہا:۔

"بخانہ قمرالدین خاں عورات غسل انیراز گلاب می کردند و بخانہ دیگر نواب سہ صد روپیہ را ہر روز گل ویان برائے عورات می رفت"[2]

---

[1] نام میر محمد فاضل تھا۔ بہادر شاہ کے عہد میں ایک اعلیٰ منصب اور قمرالدین خان کا خطاب ملا، فرخ سیر کے عہد میں ایک عمدہ منصب کے علاوہ بخشی احدیان کے عہدے پر فائز ہوا۔ محمد شاہ کے دور میں شش ہزاری ذات اور شش ہزاری کا منصب اور اعتماد الدولہ قمرالدین کے خطاب کے ساتھ وزارت کا عہدہ بھی ملا۔ برائے تفصیل ملاحظہ ہو مآثر الامرا (فارسی) ج اول ص ۳۴۵/۳۵۹

[2] ملفوظات شاہ عبدالعزیز دہلوی۔ ص ۱۱۔ محمد شاہ بادشاہ کے منظورِ نظر عبدالغفور کا جب انتقال ہوا تو اُس کے مکان سے دو کروڑ نقدی کے علاوہ دوسری قیمتی چیزیں بھی نکلی تھیں، "تاریخ شاکر خانی (قلمی) ص ۳۶۔ اعتماد الدولہ قمرالدین کی وفات پر اُس کے مکان سے بارہ کروڑ روپیہ کا مال و اسباب اور نقدی روپیہ برآمد ہوا تھا۔ تاریخ شاکر خانی (قلمی) ص ۸۱
ہندوستان کے امراء کے سلسلے میں لکھتے ہوئے شاہ ولی اللہ کہتے ہیں کہ پیڑھیوں سے وہ لوگ حکمراں رہے ہیں اور ان میں ہر ایک روزانہ کی زندگی میں ایک دوسرے پر سبقت لے جانے کی کوشش کرتا تھا، ایک ایسا زمانہ آیا کہ اگر کوئی امیر ایک لاکھ درہم سے کم قیمت کا کمربند باندھتا تھا یا تاج پہنتا تو لوگ اُس کے لئے تذلیل کے الفاظ استعمال کرتے، ایک امیر کے پاس شاندار مکان، باغات۔ غسل خانے اور آرام کے لئے خوبصورت پلنگ اور غلاموں کا نہ ہونا اُس کی غربت کی پہچان تھی، وہ بہت زیادہ روپے کھانے اور لباس میں صرف کرتے تھے۔ حجۃ اللہ بالغہ (اردو ترجمہ) ص ۱۶۲ - ۱۶۳۔

بقول غلام علی آزاد بلگرامی، اسی دولت نے مسلمانوں کے قوائے عمل شل کر دیئے تھے اور اُن کی تمام ذہنی قوتوں کو عیش و عشرت کی طرف منتقل کر دیا تھا۔[1] انشاء اللہ خاں انشا نے لکھا ہے کہ اس زمانے کے امیر آدھا سیر ملاؤ کی تیاری میں بیس روپے صرف کر دیتے تھے اور ان مرغن کھانوں کے بعد وہ تنہائی میں بیگموں اور طوائفوں کی صحبت میں رہتے تھے، اسی سبب سے ہندوستان کو اس تباہی و بربادی کا سامنا کرنا پڑا۔[2]

اس زمانے کے تمام امرا اسراف کا شکار تھے، کہا جاتا ہے کہ جس پالکی اور ہاتھی پر سوار ہو کر روشن الدولہ[3] نکلتا تھا، اُن کی سجاوٹ میں اتنی زیادہ مقدار میں سونا و چاندی صرف ہوتا تھا کہ پالکی اٹھانے والے کہار اور راستہ کے فقیر کئی کئی تولے سونا اور چاندی راستہ سے چُن چُن کر اکھٹا کر لیا کرتے تھے۔[4] قطب الملک عبداللہ خاں[5] ہر ماہ بیس ہزار روپے خانقاہ نشینوں کی خدمت میں بھیجا کرتا تھا۔ یہی نہیں اُس کی فضول خرچی کا یہ عالم تھا کہ اپنے مکان سے قلعہ معلیٰ تک جہاں سے اُس کا مسکن بہت قریب ہی تھا، دو سو روپے بطور کرایہ دیا کرتا تھا۔[6] تاریخ ہندی کے مصنف کا بیان ہے کہ امیر الامرا حسین علی خاں کی سخاوت کا یہ عالم تھا کہ اُس کے زمانے میں مفلس اور غریب لوگوں کی تعداد میں بڑی کمی ہو گئی تھی، اُس کے لشکر کا کوئی بھی ایسا فرد نہ تھا جس کے پاس زرِ سفید و سُرخ نہ ہو، بلکہ اس کی سرکار کے نقیب، سپاہیوں کے ڈیروں پر جا کر اُن کو تاکید کرتے کہ وہ جا کر اپنا حصّہ لے لیں، اکثر سپاہی کہتے کہ "ہمارے پاس بہت ہے۔ اب رکھنے کو جگہ نہیں ہے۔" اس کے "بلفور خانہ" میں مسکینوں کے لئے پانچسو روپے کا کھانا پکتا اور اُس کے مطبخ کا روزانہ کا خرچ دو ہزار سے زیادہ تھا۔[7] مختلف رسوم اور دوسرے تہواروں پر دل کھول کر خرچ کیا جاتا تھا، روشن الدولہ نے اپنی لڑکی کی شادی میں ساٹھ لاکھ روپے صرف کئے تھے، تورانی امراء میں سے کسی نے بھی اتنی رقم شادی میں کبھی

---

۱ خزانۂ عامرہ ص ۴۹ ۲ دریائے لطافت (فارسی) ص ۶۶ ۳ ماثر الامرا (فارسی)

۴ سیر المتاخرین (فارسی) ج ۲ - ص ۲۲۸، نیز چہار گلزار شجاعی (قلمی) ص ۲۲۸ ۵ برائے حالات ملاحظہ ہو۔

۶ تاریخ محمد شاہی (قلمی) ص ۹۳ ب ۷ تاریخ ہندی (قلمی) ص ۶۷، ۴ نیز ملاحظہ ہو مآثر الامراء (فارسی) ج ۱ - ص ۳۲۰

خرچ نہ کی تھی۔[1] صفدر جنگ[2] نے اپنے لڑکے شجاع الدولہ کی شادی میں اتنا روپیہ صرف کیا تھا کہ عہدِ مغلیہ کے امراء میں شاہ جہاں بادشاہ کے وزیر ظفر خان[3] کے علاوہ کوئی اُس تک نہ پہونچا تھا۔[4] راجا جگل کشور نے قریب چالیس لاکھ روپیہ اپنے لڑکے کنور رانند کشور کی شادی میں خرچ کئے، کھانے پر دہلی کے تمام ساکنوں کو مدعو کیا گیا تھا۔[5] اس واقعہ کے کچھ ہی دنوں بعد جب میر تقی میر اپنی عسرت اور تنگدستی کی بنا پر راجا کی خدمت میں حاضر ہوئے تو راجا نے بہت شرمندگی کے انداز میں کہا۔

"کہ من شالِ کہنہ دارم، اگر دستے می داشتم، چشم نمی پوشیدم"[6]

روشن الدولہ دوازدہم ربیع الاول کی مجلس بڑی شان و شوکت سے منعقد کیا کرتا تھا، پرانی دہلی سے حضرت قطب الدین بختیار کاکی[7] کی درگاہ تک کے راستہ پر اعلیٰ پیمانے پر چراغاں اور روشنی کی جاتی تھی۔

چراغاں گشت رشک افزای انجم — زمیں ہم چشم شد با چرخ ہشتم
ہوا شد از چراغاں رشکِ گلشن — وزاں پروانہا را چشم روشن
نگہ در دیدنش در ہوش گردید — ہوا گوی مرصع پوش گردید

مختصر یہ کہ اس روشنی اور غربا کو کھانا تقسیم کرنے میں وہ دو لاکھ روپیہ سالانہ صرف کیا کرتا تھا۔[8] علاوہ ازیں روشن الدولہ اپنے پیر و مرشد شیخ بھیک کا عرس بھی اسی شان و شوکت سے کرتا تھا۔[9] احمد شاہ بادشاہ کا مقرب اور منظورِ نظر جاوید خاں[10] یازدہم ربیع الاول کی مجلس بڑے اعلیٰ پیمانے اور تجمل کے ساتھ منعقد کرتا تھا۔ بڑے پیمانے پر چراغاں ہوتا تھا۔ یتیموں اور غرباء میں پکا ہوا

---

[1] تاریخ مظفری (قلمی) ج اول۔ ص الف ۱۹۸۔ ب ۱۹۸۔ [2] برائے حالات ملاحظہ ہوا۔ مآثر الامرا (فارسی) ج ۲ حصہ ۲۔ ص ۳۶۳۔ ۳۶۶۔ [3] [4] چہار گلزار شجاعی (قلمی) ص ۳۹۴۔ ۳۹۳، نیز عمادت السعادت۔ ص ۳۶۔ [5] احوال محمد شاہ تا آصف الدولہ (قلمی) ص ۷۔ ۸، نیز مجموعہ نغز۔ ص

[6] ذکرِ میر (فارسی) ص ۸۷ [7] خواجہ شیخ معین الدین چشتی اجمیری کے مرید اور خلیفہ تھے، آپ کا وصال ۶۳۳ھ میں ہوا تھا۔ مزار مہرولی میں ہے۔ ملاحظہ ہو، سیر الاولیاء ص ۴۸۔ ۵۷ سیر الاقطاب، گلزار ابرار (ص ۳۹، ۴۲) سفینۃ اولیاء (اردو ترجمہ) ص ۱۳۱۔ ۱۳۵۔ [8] تاریخ مظفری، جلد اول الف ۱۹۸ برائے تفصیل۔ مرقع دہلی ص ۳۷۔ ۳۹۔ [9] حدیقۃ الاقالیم ص ۵۴ [10] برائے حالات ملاحظہ ہو مآثر الامرا (فارسی) ج ۱۔ ص ۳۶۲۔ ۳۶۷۔

کھانا تقسیم کیا جاتا۔ بادشاہ، اور امراء ضیافت میں شرکت کرتے تھے۔[۱]

نواب جعفر خاں[۲]، صوبہ دار بنگال، ہر سال مکہ معظمہ و مدینہ منورہ، نجف اشرف و کربلا معلی، بغداد و خراسان، جدہ و بصرہ کے جانے والے حاجیوں کے امیر کے ساتھ نذر بھیجا کرتا اور اجمیر جیسے ہندوستان کے متبرک مقامات کے لئے بھی نذور اور اوقاف مقرر کرتا تھا، دو ہزار پانچسو قاری اس کے دربار سے منسلک تھے جو ہمہ وقت قرآن خوانی میں مصروف رہتے، ان لوگوں کو دونوں وقت کھانا نواب کے مطبخ سے ملتا۔ غرہ سے دوازدہم ربیع الاول تک جو حضرت رسول اللہ کی وفات کا دن ہے، ہر روز اکابر، مشائخ، علماء و فقراء و صلحا کی ضیافت کرتا۔ ان دنوں کی ہر رات کو ماہی نگر سے لعل باغ تک دریا کے کنارے اعلیٰ پیمانے پر چراغاں کرتا۔ کہا جاتا ہے کہ اس کام کے لئے ایک لاکھ سے زیادہ مزدور مامور ہوتے تھے۔[۳]

ان فضول خرچیوں کی وجہ سے امراء کی اقتصادی حالت بہت خراب ہو گئی تھی، شاہ ولی اللہ نے امراء کو خطاب کرتے ہوئے کہا:-

"اے امیرو! دیکھو! کیا تم خدا سے نہیں ڈرتے، دنیا کی لذتوں میں ڈوبے جا رہے ہو، اور جن لوگوں کی نگرانی تمہارے سپرد ہوئی ہے، ان کو چھوڑ دیا ہے تاکہ ان میں بعض بعض کو کھاتے اور نگلتے رہیں، تمہاری ساری ذہنی قوتیں اس پر صرف ہو رہی ہیں کہ لذیذ کھانوں کی قسمیں پکواتے رہو اور نرم و گداز جسم والی عورتوں سے لطف اٹھاتے رہو، اچھے کپڑوں اور اونچے مکانات کے سوا تمہاری توجہ کسی طرف منعطف نہیں ہوتی"۔

بادشاہوں، اور امراء کی عیاشی، اور عیش و عشرت کی زندگیوں سے سپاہی اور عوام متاثر ہوئے بنا نہ رہ سکے، اور آخرکار ان کو بھی معاشی اور اقتصادی تنگ دستی کا شکار ہونا پڑا، سپاہیوں کو مخاطب کر کے شاہ ولی اللہ کہتے ہیں:-

"تم اعتدال کی راہ اپنے خرچ میں اختیار کرو اور محض اتنی روزی پر قناعت کرنے کے لئے

۱؎ احوال محمد شاہ تا آصف الدولہ (قلمی) ص الف ۵

۲؎ A Narratnie in Bengal :- PP 124-153 ۳؎ اخبار محبت (قلمی) ص ۱۹/۱۸

آمادہ ہو جاؤ جو بآسانی تمہیں اُخروی زندگی کے نتائج تک پہنچا دے ...... دیکھو اپنے خرچ کو اپنی آمدنی سے کم رکھا کرو، پھر جو بچ جایا کرے اس سے مسافروں کی، مسکینوں کی مدد کیا کرو، اور کچھ اتفاقی مصائب اور ضرورتوں کے لئے پس انداز بھی کیا کرو۔"

سپاہیوں میں شراب نوشی اور بھنگ خوری کی عام وبا پھیلی ہوئی تھی[1] عام پیشہ وروں کو مخاطب کرکے کہتے ہیں۔

"یہ لوگ ...... خاص طرح کے کھانے کھاتے ہیں، اُن میں جن کی آمدنی کم ہوتی ہے وہ اپنی عورتوں اور اپنے بچوں کے حقوق کی پرواہ نہیں کرتے ...... دیکھو! اپنے خرچ کو اپنی آمدنی سے ہمیشہ کم رکھا کرو۔"

عام مسلمانوں کو خطاب کرتے ہوئے شاہ ولی اللہ فرماتے ہیں :۔

"اسی طرح اور بھی بُری رسمیں تم میں جاری ہیں جس نے تم پر تمہاری زندگی تنگ کردی ہے، مثلاً تقریبات کی دعوتوں میں تم نے حد سے زیادہ تکلّف برتنا شروع کردیا ہے۔[2]

بہرصورت بادشاہوں، امیروں، سپاہیوں اور عوام کی عیش وعشرت، فضول خرچی اور سیاسی طاقتوں کی لُوٹ مار، اور ملک میں بدامنی پھیل جانے کی وجہ سے مسلمانوں کی سوسائٹی کا ہر طبقہ اور ہر پیشہ ور اقتصادی پریشانیوں کا شکار رہتا ہے[3]

---

[1] تاریخ محمد شاہی (قلمی) ص ب ۱۸۴ - [2] الفرقان - شاہ ولی اللہ نمبر

[3] آرام سے کٹنے کا سُنا تو نے کچھ احوال ⁂ جمعیتِ خاطر کوئی صورت ہو کہاں ہے
دنیا میں تو آسودگی رکھتی ہے فقط نام ⁂ عقبیٰ میں یہ کہتا ہے کوئی اس کا نشاں ہے
سو اُس پہ تیقن کسی کے دل کو نہیں ہے ⁂ یہ بات بھی گوینده کا محض گماں ہے
یاں فکرِ معیشت ہے تو واں دغدغۂ حشر ⁂ آسودگی حرفست ہے نہ یاں ہے نہ واں ہے

کلیات سودا (نول کشور) ص ۱۵۳

ذیل میں مسلمانوں کے ہر طبقہ اور پیشہ والوں کی اقتصادی حالت کا مختصر جائزہ لیا جائے گا۔

کاشتکار، بیوپاری اور پیشہ ور اس زمانے میں ملکی محاصل کا زیادہ دارومدار کھیتی پر تھا اور ہندوستانی آبادی کا ۹۰ فی صدی حصہ زراعت سے روزی حاصل کرتا تھا۔ کاشتکاری کے لئے آبیاری کے ذرائع بہت محدود تھے اور اُن کا مدار زیادہ تر بارانِ قدرتی پر تھا، اگر ملک میں امن و امان قائم رہتا تو آب پاشی کے وسائل بڑھانے کا کام بھی بآسانی ہو سکتا تھا، ان کے سوا یہ تھا کہ رسد کو تباہ و برباد کرنے کے لئے فوجیں جدھر سے گذرتی تھیں تیار کھیتوں کو آگ لگا کر ضائع کر دیتی تھیں تاکہ قحط سے تنگ آکر غنیم ہتھیار ڈال دے، اور کچی کھیتیوں کو روند ڈالتی تھیں، مجبوراً کسانوں کا بڑا طبقہ فاقوں سے مرتا تھا یا رہزنی کا پیشہ اختیار کر لیتا تھا، سودا نے کاشتکاروں کی حالت کا بھی بیان کیا ہے وہ کہتا ہے :۔

دو بیل کی جا کر جو کہیں کیجئے کھیتی ؛ اور مینہ بھی موافق ہی پڑے تو تو سماں ہے
ہیں خشکی و خورتی کے تفکر میں شب و روز ؛ نہ امن ہے دل کے تئیں نے جی کو اماں ہے[۱]

ان کاشتکاروں کی حالت یہ تھی کہ فصل کے تیار ہونے سے قبل ہی پیشگی قرض لے کر اُس فصل کی متوقع آمدنی سے زیادہ کھا لیتے تھے، میر نے اس کو یوں لکھا ہے :۔

فصل ہونے ابھی نہیں پائی ؛ پیشگی سب نے قرض لے کھائی[۲]

سوداگری سوداگروں کی حالت کا سودا نے شاعرانہ انداز میں یوں ذکر کیا ہے :۔

سوداگری کیجئے تو ہے یہ اس میں مشقت ؛ دکھن میں بکے وہ جو خرید صفہاں سے
ہر صبح یہ خطرہ ہے کہ طے کیجئے منزل ؛ ہر شام بدل وسوسۂ سود و زیاں سے
لیجا جو کسی عمدہ کی سرکار میں وے جنس ؛ یہ درد جو سنئے تو عجب طرفہ بیاں ہے
قیمت جو چکاتے ہیں سو اس طرح کہ ثالث ؛ سمجھے ہے فروشندہ پہ دزدی کا گماں ہے
جب مول مشخص ہوا مرضی کے موافق ؛ پھر پیسوں کا جاگیر کے عامل پہ نشاں ہے

۱۔ کلیاتِ سودا۔ ص ۱۵۲ تاریخ محمد شاہی کے مصنف کا بیان ہے کہ غریب رعایا سے حکام ایک روپیہ کے بجائے دو اور بعض تو ایک کے بجائے پانچ روپے تک وصول کرتے ہیں۔ ص الف ۲۴ ۲۔ کلیاتِ میر (نول کشور) ص ۵۸۸۔

کہتا ہے وہ پیسا ابھی مجھ پاس کہاں ہے ؛ پروانہ لکھا کر گئے عامل کنے جس وقت
دیوان بیوتات یہ کہتے ہیں گراں ہے ؛ اُدھر سے پھر آئے تو کہا جنس ہی لے جا
ہر اک متصدی سے میاں اور تیاں ہے ؛ آخر کو جو دیکھو تو نہ پیسے ہیں نہ وہ جنس
جو پالکی نکلے ہے تو فریاد و فغاں ہے[1] ؛ ناچار ہو پھر جمع ہوئے قلعہ کے آگے

سوداگری کا دار و مدار بنجاروں پر تھا، یہ لوگ ہندوستان کے ایک کونے سے دوسرے کونے تک ضروریاتِ زندگی کے تمام ساز و سامان اور غلّہ و جنس پہنچاتے تھے، مگر جنگ اور آشوب کے زمانہ میں راستے خطرے سے خالی نہ رہتے تھے اور رہزنی کا قدم قدم پر خطرہ تھا، اِدھر پیداوار محدود، اُدھر راستے مسدود، پھر عوام کی قوتِ خرید کمزور، خزانے خالی، سوداگری کیا ترقی کر سکتی تھی ؛ یہی حال صنّاع اور پیشہ ور لوگوں کا تھا، میر کا مشہور شعر ہے :-

صنّاع ہیں سب خوار ازاں جملہ ہوں میں بھی
ہے عیب بڑا اُس میں جسے کچھ ہنر آوے

دستکار اور پیشہ ور | اس فتنے اور طوائف الملکی کے زمانے میں یہ دست کار بھی بے کار بیٹھے رہتے تھے کیوں کہ اُن کی سر پرستی کا مدار بھی امراء کی خوش حالی پر تھا، پیشہ وروں اور اہلِ حرفہ کی بے روزگاری کا حال اس زمانے کی شاعری میں عام طور پر ملتا ہے، قصبات اور شہروں میں بسنے والی بڑی آبادی اس عہد میں صنّاع تھی،

بابر بادشاہ نے اپنے ہندوستان کے تاثرات میں اس کی تفصیل دی ہے اور بتایا ہے کہ جب اُس نے آگرے میں پڑاؤ ڈالا ہے اور تعمیرات کا کام شروع کیا ہے تو کتنے سنگ تراش، معمار اور دوسرے

---

[1] کلیاتِ سودا (نول کشور) ص ۱۵۲ تاریخ محمد شاہی کے مصنف کا بیان ہے کہ ہر جگہ اور ہر مقام پر جاگیر دار اور منصب دار سوداگروں سے محصول راہداری وصول کرتے ہیں اور سوداگروں کو سخت مصیبتوں کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ اس وجہ سے اشیاء کی قیمت زیادہ ہو جاتی تھی اور مہنگائی کی وجہ سے عوام پریشان حال ہیں۔ ص الف ۲۷ نیز ملاحظہ ہو، دیوانِ حسرت (قلمی) ص الف ۱۳۵۔ کلیات نظیر اکبر آبادی ص ۲۶۴، کلیاتِ ہدایت (قلمی) ص ۱۵۱۔ تاریخ فرخ سیر بادشاہ (قلمی) ص ۳۴-

ہنرمند اس کے ساتھ کام کرتے تھے، خوش حالی کے زمانے میں ان پیشہ وروں کو روزگار بھی ملتا تھا اور قدردانی بھی ہوتی تھی جس سے فن کی ترقی بھی وابستہ تھی، لوگ ہنر سیکھتے اور اس میں ریاض کرتے تھے اور اپنے کمال کی داد پاتے تھے، لیکن جب سارا نظامِ حکومت ہی کمزور ہو تو صنّاع اس سے متاثر ہوئے بغیر کیسے رہ سکتے ہیں، ہندوستان میں مختلف پیشہ وروں اور دستکاروں کی ترقی و خوشحالی کا بہترین زمانہ شاہ جہاں کا عہد تھا، اورنگ زیب کی زندگی سپاہیانہ رہی اور اس کی عمر کا بڑا حصہ مہماتِ جنگی کے سر کرنے میں بسر ہوا، اس لئے مختلف صنعتوں کی سرپرستی کا اُسے موقع نہ ملا، اور بعض کی ترقی میں مثلاً (مصوری، موسیقی وغیرہ) اس کے مذہبی رجحانات حارج ہوئے، اورنگ زیب کے بعد باہمی آویزش اور معاشی بحران کی وجہ سے قلعۂ معلّیٰ نے ہنرمندوں کی وہ سرپرستی نہ کی جو مغل بادشاہوں کی روایت رہی ہے، پھر فتنوں کا دروازہ باز ہوگیا اور وہ بساط ہی اُلٹ گئی، پھر بھی بعض امراء جو اپنے علاقوں میں کسی قدر جمعیت کے ساتھ محفوظ تھے وہ شاہانِ مغل کی روایتوں کو زندہ رکھتے تھے، آصف الدولہ کے بارے میں بیان کیا جاتا ہے کہ سات سو خوش نویس اور خطّاط اُن سے متوسل تھے جو بڑی سی بڑی کتاب کی نقل ایک دن میں تیار کرکے شاہی کتب خانے میں داخل کردیا کرتے تھے، نواب نجیب الدولہ کے ساتھ ڈھائی سو علماء رہتے تھے اور اسی نسبت سے مختلف ہنروں اور پیشوں کی قدردانی کی جاتی تھی، جعفرخان، صوبہ دار بنگال، کے ہاں دو ہزار سے زیادہ قاری ملازم تھے، بہرصورت یہ سب ترقیاں خوش حالی سے ہوتی ہیں، جب اقتصادی حالت ناقص ہوجائے تو آرٹ کا حسن بھی غائب ہوجاتا ہے، نظیر اکبرآبادی نے اپنے عہد (اٹھارھویں صدی کے اواخر) میں پیشہ وروں کی نسبت لکھا ہے:-

مارے ہیں ہاتھ پہ ہاتھ یہ سب یاں کے دستکار
اور جتنے پیشہ وار ہیں روتے ہیں زار زار
کوٹے ہے تن لہار تو پیٹے ہے سر سنار
کچھ ایک دو کے کام کا رونا نہیں ہے یار

چھتیس پیشے والوں کا ہے کاروبار بند[1]

اس زمانے میں ۳۶ پیشوں کا ذکر ہے، ضروری نہیں ہے کہ یہ تقسیم قطعی اور صحیح ہو لیکن پُرانے زمانے کے مؤرخوں نے اس کی تحدید اسی طرح کی ہے، حالانکہ اِن پیشوں کے علاوہ بھی لوگ دوسرے پیشوں سے روزی کماتے تھے، تاریخ محمد شاہی کے مصنّف کے علاوہ میر۔ سودا، حاتم، حسرت اور نظیر اکبر آبادی نے اپنے شہر آشوبوں میں اُن کی زبوں حالی کا دل دوز نقشہ پیش کیا ہے، اُن میں سے چند پیشہ ور یہ ہیں جن کے بارے میں تاریخ محمد شاہی کے مصنف کا بیان اختصار و ایجاز کے ساتھ پیش کیا جاتا ہے۔

جوہری ۔ چوں کہ بادشاہ اور امیر ہی جواہرات کے خریدار ہوتے تھے، بقول میر، جب بادشاہ ہی خود بھیک مانگتا پھرتا ہو اور امیر روٹی کو محتاج ہوں تو پھر جوہریوں کو کون پوچھتا، چنانچہ انھوں نے اس پیشے کو چھوڑ دیا اور روزی کی تلاش میں در در کی ٹھوکریں کھاتے پھرنے لگے، **نجّار**، چونکہ ان کو کام نہیں ملتا، اس لئے انھوں نے اس پیشے سے ہاتھ اُٹھا لیا ہے اور وہ دو[2] وقت کی روٹی کیلئے کسی اور کام میں جد و جہد کرنے لگے ہیں اور اس فکر میں کہ کوئی اِن کی مدد کرے، دوسروں کی طرف حسرت بھری نگاہوں سے دیکھتے رہتے ہیں، اسی طرح **قصّاب** اور **سبزی فروش** بھی بے روزگاری کے شکار تھے، گوشت اور سبزی خریدنے کے لئے کسی کے پاس پیسہ ہی نہ تھا۔

معمار۔ جب ملک میں امن و امان اور فارغ البالی ہوتی ہے تو بادشاہ سے لے کر پرجا تک سب کے سب اپنے لئے اپنی حیثیت کے مطابق مکانات، حویلیاں، قلعے، اور مقبرے تعمیرات کرواتے تھے، یہ وہ پُر آشوب زمانہ تھا کہ آئے دن حملے ہوتے رہتے تھے، گھر تباہ و برباد کر دیئے جاتے تھے، لوگوں کو گھروں میں رہنے کی نوبت نہ آتی تھی، کہا جاتا ہے کہ بہادر شاہ کو اپنے پانچ سالہ دورِ حکومت میں ایک دن بھی کسی مکان کی چھت کے نیچے رہنے کا اتفاق نہ ہوا تھا۔ جب بادشاہ کی یہ حالت تھی تو عوام کا کیا کہنا، لوگوں کو ایک مقام پر قیام کا موقع نہ ملتا۔ جان و مال کو محفوظ رکھنے

---

[1] کلیاتِ نظیر اکبر آبادی ۔ ص ۳۶۶

کے لیئے دربدر کی ٹھوکریں کھاتے پھرتے تھے، ایسی صورت میں پھر معماروں کو کون پوچھتا، یہ بیچارے روٹی کو محتاج تھے۔ بہرحال یہی حالت، خیّاط، علاقہ بند، بخیہ بند، زنگریز، تنبولی، حلوائی، آہنگر ندّاف، بقّال، کلال، گل فروش، عطّار، تیلی، حجّام، چھاپہ گر، کوفت گر، صیقل گر، زین ساز، میناساز، مرصع ساز، دہلی خانے کے ملازمین کی تھی۔

سپاہی پیشہ مسلمانوں کا پیشہ سپاہ گری تھا، اس زمانے میں سپاہیوں کی حالت اس درجے خراب تھی کہ اوّلاً نوکری ہی نہ ملتی اور اگر مل بھی جاتی تو تنخواہ کا نام ونشان نہ تھا۔ اور یہاں تک کہ چھتیس چھتیس مہینے تک تنخواہ ادا نہ ہوتی تھی، دانہ دانہ کو محتاج رہتے تھے، جنگی اسلحہ وآلاتِ حرب بنیے کے ہاں گرو رکھ کر اشیائے خوردنی حاصل کرتے تھے، اور اگر ادھار کچھ سامان مل جاتا تو کھانا نصیب ہوتا ورنہ اُن کے لئے سال کے بارہ مہینے رمضان سے کم نہ ہوتے تھے اور جس دن کچھ کھانے کو مل جاتا تو اُن کی نظر میں وہ دن عید سے کم نہ ہوتا۔ سپاہیوں میں سے جو لوگ زبردست اور ہیکڑ ہوتے تھے وہ اپنے مالکوں کے سر پر سوار ہوکر کچھ حاصل کر لیتے تھے، باقی لوگ امیروں کی پالکی کے پیچھے گریہ کناں چلتے تھے[1] میر نے "درحالِ لشکر" کے عنوان سے ایک مرثیہ لکھا ہے اور اس میں لشکر کی زبوں حالی اور فاقہ گری کا چشم دید مرقع پیش کیا ہے:-

مشکل اپنی ہوئی جو بود و باش — آئے لشکر میں ہم برائے تلاش
آن کے دیکھی یاں کی طرفہ معاش — ہے لبِ نان پہ سو جگہ پرخاش

---

[1] یوں بھی نہ ملا کچھ تو ہر ایک پالکی آگے — اس سج سے رسالہ کا رسالہ ہی رواں ہے
کوئی سر پہ کئے خاک گریباں کسی کا چاک — کوئی رووے ہے منھ پیٹ کوئی نعرہ زناں ہے
ہندو و مسلمان کو پھر اس پالکی اوپر — ارتھی کا توہم ہے جنازہ کا گماں ہے
یہ مسخرگی دیکھ کے جو صاحبِ ارتھی — کرتے ہیں جو واں عرض تونے پھر یہ نہاں ہے

کلیاتِ سودا (نول کشور) ص ۱۵۰، نیز تاریخ محمد شاہی (قلمی) ص ۲۳ ب۔ چہار گلزار شجاعی (قلمی) ص ۷۳ - ۷۶، دیوان حسرت (قلمی) ص ۱۳۴ ب۔ کلیات نظیر اکبرآبادی۔ ص ۴۶۹۔

نے دمِ آب ہے نہ چمچۂ آتش

مرنے کے مرتبے ہیں ہیں احباب ؛ جو شتنا سا ملا سو بے اسباب
تنگ دستی سے سب بحال خراب ؛ جس کے ہے پال تو نہیں ہے طناب
جس کے ہے فرش تو نہیں فرّاش

زندگانی ہوئی ہے سب پہ وبال ؛ کنجڑے جھینکیں ہیں روتے ہیں بقّال
پوچھ مت کچھ سپاہیوں کا حال ؛ ایک تلوار بیچے ہے اک ڈھال
بادشاہ و وزیر سب قلّاش

جُبّے والے جو تھے ہوئے ہیں فقیر ؛ تن سے ظاہر رگیں ہیں جیسے لکیر
ہیں معذّب غرض صغیر و کبیر ؛ مکھیاں سی گریں ہزاروں فقیر
دیکھیں ٹکڑا اگر برابر ماش

شور مطلق نہیں کسو سر میں ؛ زور باقی نہ اسپ و اشتر میں
بھوک کا ذکر اقل و اکثر میں ؛ خانہ جنگی سے امن لشکر میں
نہ کوئی رند ہے نہ کوئی اوباش

یک بیک گر کسو کی موت آئی ؛ اُس کے مردے کی پھر ہے رسوائی
کیوں کہ پہونچی ہے جن کو امرائی ؛ سب وہ اولاد حاتمِ طائی
کون دے کر کفن اُٹھاوے لاش

ہو جو اُن لوگوں میں گدا کا گذر ؛ سہم رہ جائیں سب نہ دیکھیں اُدھر
دیر کے بعد یہ کہیں ہل کر ؛ شاہ جی لے خدا سبھوں کی خبر
سوجھی یہ بات ہے پس از کنگاش [1]

---

[1] برائے تفصیل - کلیاتِ میر (مرتبہ عبدالباری آسی - نول کشور لکھنؤ ۱۹۴۱ء) ص ۹۵۲ - ۹۵۴

فوج میں جس کو دیکھوں سو ہے اُداس　　بھوک سے عقل گم نہیں ہیں حواس
بیچ کھایا ہے سب نے ساز و سامان　　چیتھڑوں بن نہیں کسو کے پاس
یعنی حاضر برآں ہینگے سپاہ [1]

اِس تنگدستی اور افلاس نے سرکاری ملازمین کو چوری ڈکیتی کا کام کرنے پر مجبور کر دیا تھا حالاں کہ اُن کا کام چوروں اور ڈکیتوں سے رعایا کو نجات دلانا تھا۔[2]

یہی وجہ تھی کہ شاہ ولی اللہ نے بادشاہِ وقت کو ہدایت کی کہ:-

"ملازموں کی تنخواہیں بغیر تاخیر کے اُن کو ملنی چاہئیں، اس لئے تاخیر کی صورت میں وہ لوگ سودی قرض لینے پر مجبور ہوتے ہیں اور اُن کا اکثر مال ضائع ہو جاتا ہے"[3]

امراء اور منصب دار امراء و منصب داروں کی آمدنی کی ذریعہ اُن کی جاگیریں تھیں، اس زمانے میں مرہٹوں، جاٹوں، سکھوں اور روہیلوں نے ملک کے زیادہ تر حصے پر زبردستی قبضہ کر لیا تھا، اور وہاں سے لگان وصول کر لیتے تھے، امیروں اور منصب داروں کے ملازمین جب لگان وصول کرنے جاتے تو اُن کو ایک پھوٹی کوڑی وصول نہ ہوتی، اس طرح اُن کی آمدنی کے ذرائع مسدود ہو گئے، شاہی خزانہ خالی تھا وہاں سے کچھ ملنا ممکن نہ تھا، میرؔ نے ان کا مرثیہ یوں لکھا ہے:-

عُمدے جو ہیں دنوں کو بھرتے ہیں　　سو بھی اسباب گروی دھرتے ہیں

ڽ

ملکی اور سارے صاحبانِ یتول　　پھرتے ہیں مجھ سے خوار و زار و ملول
کہیئے حضرت سے کچھ بھی ہو جو حصول　　کوڑی دینا انھیں نہیں ہے قبول
آپ ہی مرتے ہیں اُن کے اہل و عیال [4]

---

[1] کلیاتِ میر ۵۰۱　　[2] احوال الخواقین (قلمی) ص ۴۶ ب

[3] سیاسی مکتوبات۔ ص ۹۵　　[4] کلیات میر (مرتبہ عبدالباری آسی) ص ۹۵۷، ۹۵۸

سودا :-

بالفرض اگر آپ ہوئے ہفت ہزاری ∴ یہ شکل بھی مت سمجھیو تو راحت جان سے
ٹک دیکھنا منصور علی خاں جی کا احوال ∴ چھاتی پہ کڑک بجلی ہے اور شیر دہان ہے[1]

حاتم نے ذیل اشعار میں امراء کی غربت و افلاس کا یوں ذکر کیا ہے :-

جن کے ہاتھی تھے سوار کبھو سو اب ننگے پاؤں ∴ پھرتے ہیں روٹی کو محتاج پڑے سرگرداں
نعمتیں جن کو میسر تھیں ہمیشہ ہر وقت ∴ صبح سے شام تلک قوت کو ہیں گے حیراں
جن کی پوشاک سے معمور تھے توشک خانے ∴ سو ہیں پیوند کے مشتاق سراپا عریاں
پرچۂ نان کے تئیں ہاتھ میں دکھ کھاتے ہیں ∴ خوان الوان کہاں اور کہاں وہ دسترخواں
جس کو دیکھوں ہوں سو ہے فکر میں غلطاں پیچاں ∴ یعنی چہ میر و چہ مرزا و چہ نواب و چہ خاں[2]

حسرت :-

امیروں کے تئیں یہ سعی اور تلاش رہے ∴ کہ کون پالکی یا نہ دور باش رہے
کسی طرح سے ملی تو یہ نان و آتش رہے ∴ نہ کو قناعت ہو ڈیوڑھی حرم کی فاش رہے
دیوان خانے میں ہو پیکدان اور رومال[3]

امراء کے مصاحبوں کی حالت

گر ہو جیسے جا کر کسی عمدہ کے مصاحب ∴ اس کی تو اذیت ہی بڑی آفتِ جاں ہے
وہ جاگے جو راتوں کو تو بیٹھے ہیں دو زانو ∴ کیسا ہی اگر اپنے تئیں خوابِ گراں ہے
بے وقت خورش اس کی جو ہو اپنے تئیں بھوکھ ∴ سو کیا کہوں تجھ سے کہ مصیبت کا بیاں ہے

---

[1] کلیاتِ سودا - (نول کشور) ص ۱۵۳، نیز ملاحظہ ہو، تاریخ محمد شاہی (قلمی) ص ۲۴ الف، ۲۴ ب -

[2] دیوان زادہ (قلمی) ص ۱۸۷ نیز ملاحظہ ہو - دیوان حسرت (قلمی) ص ۱۳۴ الف کلیات نظیر آبادی ص ۴۶۹ کلیات ہدایت (قلمی) ص ۱۵۰، ۱۵۱ - دیوان مصحفی (مرتبہ مولانا حسرت موہانی) ص ۶۳ دیوان تاباں - ص ۱۴۱، ۱۱۱، ۲۱۶

[3] دیوان حسرت - ص ۳۴ الف -

گھڑیال کی چُپ بیٹھے ہوئے گنتے ہیں گھڑیاں — اور رنج خلا رو دوں میں جو اسپ دواں ہے
خمیازہ پہ خمیازہ ہے اور حیرت او پر حیرت — منھ صورت سوفار مگر شکل دہاں ہے [1]

طبیبوں کا حال

صیغے میں طبابت کے بھلا آدمی نوکر — سو دو سو روپے کا جو کسی عمدہ کے یاں ہے
صحبت ہے یہ اس سے کہ گر آقا کے تئیں چھینک — آوے تو وہ اس کو بجنشونت نگراں ہے
دینے ہیں منگا تیر و کمان ہاتھ میں اُس کے — ٹھنڈی ہوا آنے کا اس وقت گماں ہے
اور ماحضر او پر جو وہ نواب کو دیکھے — کھانا تو یہ کھاتے ہیں پر اس کو خفقاں ہے
مطبوخ میں ہے خربزہ اور خربزہ پہ دودھ — ہے دودھ پہ مچھلی تس اپر گاؤ زباں ہے
یہ بھی تو نہیں ہے کہ اسی سے ہو تسلّی — اس سب پہ تفنن کے لئے بیسنی ناں ہے
اس میں جو کہیں درد اُٹھا پیٹ میں ان کے — پھر بو علی سینا ہے تو وہ ہیچ مداں ہے
رکھتے ہیں غرض مرگ سے لڑنے کو سپاہی — گر نوکری سمجھو یہ طبابت کی کہاں ہے [2]

پیشۂ وکالت

گر خان و خواقین کے لئے کیجئے وکالت — اور اس کا تو بیاں کیا کروں تجھ سے کہ عیاں ہے
ہر عمدہ کے دروازے پہ زیں پوش ہے بیٹھا — پوچھے ہے اجی مردھے جی نواب کہاں ہے
ہر گھر میں وہ چاہے کہ میں فوارہ سا چھوٹوں — ہر کوچہ میں جوں آب چکا بودہ دواں ہے [3]

معلّموں اور مولویوں کی حالت معلّمی کا پیشہ بڑی عزت وقدر کی نظر سے دیکھا جاتا تھا، بادشاہ اور امیروں کی طرف سے اُن کو جاگریں ملتی تھیں اور اُس کی آمدنی سے طلباء کی مدد بھی کی جاتی تھی، اس زمانے میں جب بادشاہ کے قبضۂ اقدار سے ملک ہی نکل گیا تھا تو ان کی وہ آمدنی نہ رہی کہ فراغت سے مشغلۂ معلّمی جاری رکھ سکیں، آزاد بلگرامی نے لکھا ہے کہ معلموں کی جاگیریں ضبط ہوگئیں، طلباء کا

---

[1] کلیاتِ سودا - ص ۱۵۱ [2] کلیاتِ سودا - ص ۱۵۱ نیز ملاحظہ ہو دیوانِ حسرت - ص ۲۱ ب تا ۲۲ ب نیز ص ۱۳۴ ب - [3] کلیاتِ سودا ص ۱۵۲

روزینہ بند ہوگیا۔ اب انھیں دربدر کی ٹھوکریں کھانی پڑ رہی ہیں۔ معلّموں نے روزی کمانے کے دوسرے ذرائع اختیار کر لئے ہیں[۱] سودا نے اُن کی زبوں حالی کا یوں ذکر کیا ہے :۔

مُلّائی اگر کیجئے مُلّا کی ہے یہ قدر ؛ ہوں دو روپے اس کے جو کوئی مثنوی خواں ہے
اور ماحضر اخوند کا اب میں کیا بتاؤں ؛ یک کاسۂ دالِ عدس و جو کی دوناں ہے
دن کو تو بچارا وہ پڑھایا کرے لڑکے ؛ سب خرچ لکھے گھر کا اگر ہندسہ داں ہے
تس پر یہ ستم ہے کہ نہالی نہ ملے اس کے ؛ لڑکوں کی شرارت سے سدا خار نہاں ہے
بھاگے یہ عمل کر جو وہ شیطان کا لشکر ؛ دیوالی کو لے ہاتھ تعاقب میں دواں ہے
اب کیجئے انصاف کہ جس کی ہو یہ اوقات ؛ آرام جو چاہے وہ کرے وقت کہاں ہے[۲]

پیشۂ خطاطی

جس روز سے کاتب کا لکھا حال میں نے سے ؛ ہر صفحۂ کاغذ پہ قلم اشک فشاں ہے
وہ بیت ٹکے سیکڑے لکھنے کو ہے محتاج ؛ خوبی میں خط اب جس کا بہ از خطِّ بتاں ہے
یہ بھی میں تکلّف ہی سے کہتا ہوں وگرنہ ؛ آفاق میں ان چیزوں کی اب قدر کہاں ہے
اچھا ہو جو موتی کا زمانے میں نئے سر ؛ خطّاط کی اتنی ہی رہے قدر کہاں ہے
ہدیہ ہو سوا پانچ ٹکے گذریں آکر ؛ یا قوت پکارے جو بکاؤ قرآں ہے
دمڑی کو کتابت لکھیں دھیلے کو قبالہ ؛ بیٹھے ہوئے واں میر علی چوک جہاں ہے[۳]

[۱] ماثر الکرام (مطبع مفید عام آگرہ سنہ ۱۹۱۰ء) " ووظائف و سیورغالات خانوادہائے قدیم وجدید یک قلم ضبط شد، وکار شرفا دنجبا بہ پریشانی کشید، واضطرار معاش مردم آنجا را از کسب علم باز داشتہ در پیشۂ سپاہگری انداخت و رواج تدریس وتحصیل آں درجہ نہ ماند و مدارسی کہ از عہد قدیم معدن علم وفضل بود یک قلم خراب افتاد و انجمن ہائے ارباب کمال بیشتر برہم خورد" برائے تفصیل۔ ص ۲۲۱ - ۲۲۲ -

[۲] کلیاتِ سودا۔ ص ۱۵۲ - ۱۵۳ -

[۳] کلیات سودا۔ ص ۱۵۳، کلیات میر۔ ص ۶۲۳، دیوان حسرت۔ ص ۱۳۵ الف -

جو خط کے لکھنے میں میر علی کے تھے ثانی ٭ قلم کو رانکری ہی دن رات خون افشانی
لکھیں ہیں دمڑی کو خط خط بشب لب کی مثال[1]

مشائخ۔ اور متوکلوں کا حال | اس زمانے کے زیادہ تر مشائخ اور متوکلین کو پیری مریدی کے ذریعے روزی حاصل ہوتی تھی۔ جب عوام ہی معاشی تنگدستی میں مبتلا تھے تو پیروں کو نذرانے کہاں سے پیش کئے جاسکتے تھے، علاوہ ازیں اس زمانے کے مشائخ دنیا دار ہو چکے تھے، ان کی قدر لوگوں کی نظر سے گر چکی تھی۔

چاہے جو کوئی شیخ بنے بہر فراغت ٭ چھٹتے ہی وہ شعرا کی تو مطعون زباں ہے
دیتا ہے دم خر سے کوئی شملے کو نسبت ٭ گنبد سے کوئی پگڑی کو تشبیہ کناں ہے
اور اس کو جو دیکھے کوئی وہ بہر معیشت ٭ اس فکر و ترددہی میں ہر ایک زماں ہے
پوچھے ہے مریدوں سے یہ ہر صبح کو اٹھ کر ٭ ہے آج کدھر عرس کی شب روز کہاں ہے
تحقیق ہوا عرس تو کر ڈاڑھی کو کنگھی ٭ لے خیل مریدان کو گئے بزم جہاں ہے
ڈھولک جو لگی بجنے تو واں سب کو ہوا وجد ٭ کوئی کو دے کوئی رو دے کوئی نعرہ زناں ہے
بے تال ہوئے شیخ جو ٹک وجد میں آکر ٭ سرگوشوں میں پھر بد اصولی کا بیاں ہے
گر تال سے پڑتا ہے قدم تو سبھی ہنس ہنس ٭ کہتے ہیں کوئی حال ہے یہ رقص زناں ہے
اور ماحصل اس رنج و مشقت کا جو پوچھو ٭ ڈالا ہوا واں دال نخود قلیہ و ناں ہے
سب پیشہ یہ تج کر جو کوئی ہو متوکّل ٭ جورو تو سمجھتی ہے نکھٹو یہ میاں ہے[2]
آمد نہ خادموں کے تئیں مقبروں کے بیچ ٭ بامن بھی سر پٹکتے ہیں سب مندروں کے بیچ
عاجز ہیں علم والے بھی سب مدرسوں کے بیچ ٭ حیران پیرزادے بھی اپنے گھروں کے بیچ
نذر و نیاز ہو گئی سب ایک بار بند[3]

---

[1] دیوانِ حسرت۔ ص ۱۳۵ الف [2] کلیاتِ سودا۔ ص ۱۵۳، دیوان زادہ۔ ص ۱۷۷
[3] کلیات نظیر آکبر آبادی۔ ص ۲۶۹، نیز کلیات قاسم (قلمی) ص ۳۹، کلیات ہدایت (قلمی) ص ۱۵۰۔

پیشۂ منجمی | عہدِ مغلیہ میں پیشۂ منجمی کی بڑی قدر تھی، برنیر کا بیان ہے کہ مغل بادشاہ اور امیر نجومیوں پر اتنا عقیدہ رکھتے تھے کہ بغیر ان کے مشورہ کے نہ تو میدانِ جنگ میں جاتے نہ جنگ شروع کرتے اور یہاں تک کہ اُن سے وقت متعین کرائے بنا لباس تک نہ بدلتے تھے، کہا جاتا ہے کہ اورنگ زیب نے نجومیوں کو دربار سے برطرف کر دیا تھا مگر اس کے جانشینوں کے زمانے میں اس پیشے کو پھر سے فروغ حاصل ہوا،[1] اور بادشاہ سے لے کر ایک غریب فرد تک اُن کے اثر سے خالی نہ تھا۔ مختصر یہ کہ دیگر پیشہ وروں کی طرح نجومیوں کو بھی اقتصادی زبوں حالی کا شکار ہونا پڑا۔

جنھوں نے شوق سے اپنے پڑھا تھا علمِ نجوم ؛ انھوں کی اختراب اس دور میں پڑے ہیں شوم
انھوں کی نوکری ملنی رصد پہ ہے معدوم ؛ مگر کہ قرعہ کو لے اپنے فن سے ہو محروم
بیاض و حمزہ کو پڑھ کر بنے ہیں وہ رمّال[2]

مرثیہ خوانی کا پیشہ | اٹھارھویں صدی میں ہندوستان میں شیعی فرقہ کا غلبہ بڑھ گیا تھا، اور تعزیہ داری کا عام رواج تھا، اس وجہ سے ایامِ عاشورہ میں شہدائے کربلا کے منظوم حالات مجلسوں میں پڑھے جاتے تھے[3] اس سبب سے مرثیہ گوئی نے ایک فن کی حیثیت حاصل کرلی تھی، ابتدائی زمانے میں سودا نے اور آواخر میں انیس اور دبیر نے اس فن کو نقطۂ عروج پہ پہونچایا۔ اٹھارھویں صدی میں کئی مشہور مرثیہ خواں گذرے ہیں اُن میں سے لطف علی خاں، مسکین، غمگین اور حزین، میر عبداللہ، شیخ سلطان، میر ابوتراب، مرزا ابراہیم، میر درویش حسین وغیرہ قابلِ ذکر ہیں، حسرت نے مرثیہ خوانوں کی زبوں حالی یوں بیان کی ہے:-

جنھوں کو مرثیہ پڑھ آیا تھے غلام امام ؛ انھوں نے چھوڑ دیا اور سب جہاں کا نام
جہاں سنا کوئی شیعہ ہوا ہے ہوگا طعام ؛ چلے وہ کرنے تبرّا وہیں سے نام بنام
پھریں ہیں مردہ شو مولودیوں میں با اطفال[4]

---

[1] ملاحظہ ہو، مرقع دہلی۔ [2] دیوانِ حسرت (قلمی) ص ۱۳۴ ب [3] مرزا امانی، بڑے جوش خروش سے مرثیہ پڑھتے تھے، ایک مرتبہ مرثیہ پڑھتے ہی اُن کا انتقال ہوا۔ برائے تفصیل: تذکرہ شعرائے اُردو (میر حسن) ص ۵۱ [4] دیوانِ حسرت (قلمی) ص الف ۱۳۵۔

پیشۂ مصوری | عہدِ مغلیہ میں دیگر فنونِ لطیفہ کی طرح فن مصوری کو بڑا فروغ حاصل ہوا، سیکڑوں مصور دربارِ شاہی سے وابستہ تھے، اور اپنے کمال کی داد پاتے تھے، مگر اورنگ زیب کے زمانہ سے اس فن کے زوال کا آغاز ہوتا ہے، اورنگ زیب کے جانشینوں کو نہ تو اتنی فرصت ہی تھی اور نہ دل چسپی کہ وہ لوگ اس فن کی سرپرستی کرتے، نتیجہ یہ ہوا کہ جن لوگوں نے اس فن کو اپنی روزی کا ذریعہ بنایا تھا، انھیں روزی ملنی مشکل ہوگئی۔

مصور اُن میں جو تھے کھینچتے ہیں حیرانی ؛ ٹکے کی کھینچ دے تصویر گرچہ ہو مانی [۱]

پیشۂ شاعری | اٹھارھویں صدی پیشۂ شاعری "فنِ شریف" سمجھا جاتا تھا، یہی سبب ہے کہ اس دور میں جتنے شاعر نظر آتے ہیں اُتنے کسی اور عہد میں نہیں، اس کی بڑی وجہ یہ تھی کہ ہندوستانی سماج کے ہر طبقے کے لوگوں کو شعر و شاعری سے دل چسپی تھی۔ [۲] خود لوگ، اپنے گھروں پر مشاعرے منعقد کرتے۔ اور دوسروں کی مجلسِ مشاعرے میں شرکت کرنے جاتے، شاعروں کی بادشاہِ وقت اور امراء سرپرستی کرتے، روزینہ مقرر کرتے اور ہر طرح سے ان کے کلام کی قدر کرنے کی کوشش کرتے تھے، اس زمانے کے شاعر ایک ہی وقت میں کئی فنون پر ملکہ رکھتے تھے، مگر شاعری ہی ان کی روزی کا ذریعہ تھی،

---

[۱] دیوانِ حسرت (قلمی) ص الف ۱۳۵۔

[۲] اس عجم میں جو ہے ہند سو اس میں یہی سخن ؛ کہتے ہیں فارسی کو طور پہ دہلی کے مقیم
جب سے یہ شہر کیا شاہ جہاں نے آباد ؛ وہاں کے باشندوں نے سیکھا سخنِ ہفت اقلیم
پھر تو ایسے ہی سخن سنج ہوئے وہاں کے فصیح ؛ کہ نہ دم مار سکے بلبلِ گلزارِ نعیم
اٹھ گیا سب ولی، ناجی، مضموں کا کلام ؛ شعر صائب کے کریں ان کے سخن کی تعظیم
پہنچے شیراز میں جیسے سخنِ طوطیِ ہند ؛ وہاں کے بلبل کا اٹھا فخر گئے سب تکریم
یہ فلک دیکھ سکا وہاں کی نہ جمعیت کو ؛ لوٹ گئی جوں دلِ عشاق اُسے فوجِ غنیم

برائے تفصیل، دیوانِ حسرت (قلمی) ص ۵ ب تا ۶ الف۔

ہر طبقے کے لوگ اپنے پیشے کے علاوہ شاعری بھی کرتے تھے[1] اس کا بُرا نتیجہ یہ ہوا کہ دوسرے پیشہ وروں کی طرح اِن شاعروں کی بھی مٹی پلید تھی، بلند پایہ شاعروں کی کوئی قدر نہ کرتا تھا، اس زمانے کے شاعروں نے اپنی زبوں حالی خود اپنے مخصوص انداز میں بیان کی ہے:-

سودا:-

شاعر جو سنے جاتے ہیں مستغنی الاحوال ؛ دیکھے جو کوئی فکر و تردد کو تو یاں ہے
مشتاق ملاقات انھوں کا کس و ناکس ؛ ملنا انھیں اُن سے جو فلاں ابن فلاں ہے
گر عید کا مسجد میں پڑھے جا کے دوگانہ ؛ نیت قطعۂ تہنیتِ خان زماں ہے
تاریخ تولّد کی رہے آٹھ پہر فکر ؛ گر رحم میں بیگم کے سُنے نطفۂ خاں ہے
اسقاطِ حمل ہو تو کہیں مرثیہ ایسا ؛ پھر کوئی نہ پوچھے میاں مسکین کہاں ہے[2]

سیاسی حالات میں ضمناً میرؔ کی اقتصادی زبوں حالی کا ذکر کیا جا چکا ہے، یہاں تفصیل سے ذکر کرنا غیر مناسب نہ ہوگا۔ میرؔ نے خود بڑی تفصیل سے اپنی معاشی اور اقتصادی[3] بدحالی کا ذکر مخمس درشہر کاما حسبِ حال خود کیا ہے، ملاحظہ ہو:-

کاما سے تلخ کام اُٹھایا مرے تئیں ؛ دلّی میں بید لانہ پھرایا مرے تئیں
ہم چشموں کی نظر سے گرایا مرے تئیں ؛ حاصل کہ پیس سرمہ بنایا مرے تئیں
میں مشتِ خاک مجھ سے اسے اس قدر غبار

لشکر میں مجھ کو شہر سے لایا سپئے تلاش ؛ یاں آکے گذری میری عجب طور سے معاش
پانی کسو سے مانگ پیا میں کسو سے آش ؛ اس واقعہ سے آگے اجل پہونچی ہوتی کاش
ناموس رہتی فقر کی جاتا نہ اعتبار

---

[1] شاعری کے زوال کے لئے ملاحظہ ہو میرؔ کی مثنوی - تنبیہ الجہال - کلیات میرؔ (آسی) ص ۸۱۹، ۸۲۳

[2] کلیاتِ سودا - ص ۱۵۲ - [3] ملاحظہ ہو - "مثنوی در ہجو خانۂ خود" کلیات میرؔ (آسی) ۸۱۰، ۸۱۷ -

مدت رہا تھا ساتھ جنھوں کے خراب حال ؛ دانستہ ان سبھوں نے کیا مجھ کو پائمال
آخر کو آیا مجھ میں انھوں میں نپٹ ملال ؛ یہ زندگی سہل ہوئی جان کی وبال
اس جمع میں کسو کو میں پایا نہ دستیار

جانا نہ تھا جہاں مجھے سو بار واں گیا ؛ ضعفِ قویٰ سے دست بدیوار واں گیا
محتاج ہو کے ناں کا طلب گار واں گیا ؛ چارہ نہ دیکھا مضطر و ناچار واں گیا
اِس جانِ ناتواں پہ کیا صبر اختیار

در پہ ہر اک دلی کے سماجت مری گئی ؛ نالایقوں سے ملتے لیاقت مری گئی
کیا مفت ہائے شانِ شرافت مری گئی ؛ ایسا پھرایا اُس نے کہ طاقت مری گئی
مشہور شہر اب ہوں سبکسار و بے وقار

عرصہ تھا مجھ پہ تنگ اُٹھا کے نیم جاں ؛ پوچھا نہ مجکو یک لب ناں سے کنھو نے یاں
کم پائی پر بھی سیر کیا میں نے سب جہاں ؛ آشفتہ خاطری نے پھرایا کہاں کہاں
برسوں کا راز مجھ سے ہوا آ کے آشکار

پرداخت میری ہو نہ سکی اک امیر سے ؛ عقدہ کھلا نہ دل کا دعائے فقیر سے
رخنے ہمیشہ آتے رہے سر پہ تیر سے ؛ ہر چند التجا کی صغیر و کبیر سے
لیکن ہوا نہ رفع مرے دل کا اضطرار

کن نے کی اپنے حال پہ شفقت سے یک نگاہ ؛ نکلے ہے کس سے طور پر اپنے سخن کی راہ
بولا نہ کوئی ہم سے کہ تم کیوں ہوئے تباہ ؛ اسلوب اپنے جینے کا ہو کس طرح سے آہ
ہم ایک ناتوان وضعیف اور غم ہزار

حاجت مری روا دلِ پُر درد نے نہ کی ؛ تاثیر اشکِ سُرخ و رُخِ زرد نے نہ کی
تدبیر ایک دم بھی دمِ سرد نے نہ کی ؛ دل جوئی میری حیف کسی فرد نے نہ کی
طاقت رہی نہ دل میں گیا جان سے قرار (باقی)

دیارِ غرب کے مشاہدات و تاثرات

(۵)

سعید احمد اکبر آبادی

ان دو سیمناروں میں شرکت اور اسمتھ صاحب کے ساتھ اُن کی قیادت! یہ تو وہ کام تھا جو انسٹیٹوٹ کی طرف سے باضابطہ میرے سپرد کیا گیا تھا، اس کے علاوہ ظفر اسحٰق صاحب انصاری، پی ایچ ڈی کے طالب علم تھے اور انھوں نے ایک مضمون کلاسکل عربی شاعری بھی لے رکھا تھا، اس کے دو حصّے تھے، ایک عربی شاعری قبل از اسلام اور دوسرا بعد از اسلام، انصاری صاحب نے ازخود خواہش کی کہ عربی شاعری بعد از اسلام کا پرچہ وہ مجھ سے پڑھنا چاہتے ہیں، ڈائرکٹر نے اس کی بخوشی اجازت دیدی اور میں ہفتہ میں ایک دن گھنٹہ ڈیڑھ گھنٹہ کے لیے یہ پرچہ بھی پڑھاتا تھا، مس مکڈانلڈ بھی، پی ایچ، ڈی کی ایک طالبہ تھیں، چودھری غلام احمد پرویز اُن کے مقالہ کا موضوع تھا۔ یوں تو اسمتھ صاحب خود اُن کے نگراں تھے لیکن خود اُس لڑکی کی خواہش اور اسمتھ صاحب کی اجازت اور ایما سے یہ ایک ایک باب لکھ کر مجھے دکھلاتی جاتی اور اس پر مجھ سے مذاکرہ کرتی جاتی تھی، اصل یہ ہے کہ یہاں عام کالجوں اور یونیورسٹیوں کی طرح یہ نہیں تھا کہ اساتذہ کے لگے بندھے گھنٹے مقرر ہیں، اُن گھنٹوں میں وہ آئے، لکچر دیئے اور پھر اللہ اللہ خیر سلا۔ بلکہ یہاں ایک طرح کی فیملی لائف تھی جس کی بنیاد تعاون و اشتراکِ باہمی پر تھی، کلاسوں سے کچھ کم اہم وہ بات چیت بھی نہیں ہوتی تھی جو لنچ پر۔ یا چاء کے گھنٹہ میں یا عام مجالس میں ہوتی تھی، وہاں اسے نوٹ کیا جاتا ہے کہ اس قسم کے مواقع پر کون طالب علم